خیری برادران اور جرمن نژاد مستشرقین: علمی و فکری روابط

محمد اکرام چغتائی

محمد عبد الجبار خیری (دہلی ۱۸۸۰ء۔ دہلی ۱۹۵۸ء) اور محمد عبد الستار خیری (دہلی، ۱۸۸۵ء۔ علی گڑھ ۱۹۴۵ء) برعظیم پاک و ہند کی بیسویں صدی عیسوی کے نصف اول کی مذہبی، علمی، تعلیمی اور سیاسی تاریخ میں "خیری برادران" کے نام سے پہچانے جاتے ہیں[۱]۔ ان کے اور بھی تین بھائی اور دو بہنیں تھیں، لیکن "خیری برادران" کی ترکیب انہی دو بھائیوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ ان کے دو معاصرین یعنی مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر کو بھی "علی برادران" کہا جاتا ہے[۲]۔ تاریخ مغرب میں دو بھائیوں کی مشترکہ سوانح حیات کی ایسی واحد مثال دستیاب ہے[۳]۔

> "الخیری" کا مطلب کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں اس خاندان کی ایک نامور ادبی شخصیت مصور غم راشد الخیری ان الفاظ میں وضاحت فرماتے ہیں: میں نے خیری کا لفظ اس لیے ہی نہیں بڑھایا کہ میرے سکڑ دادا مولوی خیر اللہ صاحب تھے، بلکہ یہ لفظ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی یاد دلاتا ہے۔ جب حضرت عکرمہ بن ابو جہل نے (جن کو تم]یعنی عبد الستار خیری[اولاد ہو) اسلام قبول کر لیا تو ان پر فقرے کسے جانے لگے "دشمن اسلام کا بیٹا۔" اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:
>
> خیرکم فی الجاهلیة خیرکم فی الاسلام
>
> خیری خاندان کی بنیاد یہ حدیث ہو سکتی ہے[۴]۔

خیری برادران کے والد عبد الحامد نے اپنے بہنوئی ڈپٹی نذیر احمد (م۔ ۱۹۱۲ء) سے تعلیم پائی۔ سرکاری ملازم ہوئے۔ تحصیل دار اور پھر ڈپٹی کلکٹر کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ دہلی کے مجسٹریٹ بھی رہے۔ "خان بہادر" کا خطاب پایا۔ ڈپٹی نذیر احمد کی مرأة العروس جیسا زینت العروس ناول بھی لکھا۔

خیری برادران دہلی کے ایک کھاتے پیتے، لکھے پڑھے حنفی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم کی جو

* سابق ڈائریکٹر جنرل اردو سائنس بورڈ، مصنف و محقق، مقیم لاہور

روایت چلی آرہی تھی، اس کی تکمیل کے بعد اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ، چلے گئے لیکن کب؟ وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے، سر سید احمد خاں کی رحلت (۱۸۹۸ء) سے کچھ دیر پہلے یا بعد میں یہاں داخل ہوئے ہوں۔ یہیں سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ وہ اس درس گاہ سے عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ انگریزی ادب اور مغربی علوم بھی پڑھتے رہے۔ علی گڑھ کے قیام کے دوران میں اس دور کی سیاسی تحریکوں سے متاثر ہوئے، بالخصوص محکوم اسلامی ممالک کی آزادی اور اتحاد یعنی پین اسلامک جیسی اہم تحریک کے زیر اثر ہندوستان کی آزادی کا تصور بھی ذہنوں میں جاگزیں ہو گیا۔

اس تحریک کے بانی جمال الدین افغانی کی وفات (۱۸۹۷ء) کو چند سال ہی گزرے تھے اور برعظیم سمیت دیگر اسلامی ممالک (ایران و ترکی) میں ان کا دائرۂ اثر خاصا وسیع تھا۔ بعض تعلیم یافتہ آزادی پسند نوجوانوں نے "محکوم ہندوستان" کو بدیسی حاکموں کے چنگل سے نجات دلانے کے لیے تگ و دو شروع کر دی تھی اور "انگریز دشمنی" کے کچھ داعیوں نے ترکِ وطن کا بھی فیصلہ کر لیا، تاکہ کسی ایسے ملک میں سکونت اختیار کر کے ہندوستان کو برطانوی استعماریت سے نجات دلائی جائے، جو نو آبادیاتی نظام سے آزاد ہو۔ علی گڑھ کے زمانۂ تعلیم کے دوران خیری برادران ایسے "ترقی پسند"، "انقلاب پسند" اور بدیسی حاکموں سے شدید مخاصمت کے تصورات سے متاثر ہوئے، چناں چہ انھوں نے مزید تعلیم کے حصول کے لیے کیمبرج یا آکسفورڈ کا رخ کرنے کے بجائے کسی ایسے ملک جانے کا ارادہ کیا، جہاں انگریز کی حاکمیت نہ ہو۔ ممکن ہے، انگریزوں کے ظالمانہ استعماری نظام کے خلاف ایسے نوجوان طلبہ کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھنے والی خفیہ ایجنسیوں کی پکڑ دھکڑ کے خوف سے بلا تاخیر ملک چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ عجیب اتفاق ہے کہ جونہی علی گڑھ سے بی اے میں کامیاب ہو کر دہلی واپس پہنچے، ان کی والدہ حمید الزمانی بیگم کا انتقال ہو گیا (۱۹۰۴ء)۔ مادرانہ شفقت سے محروم ہونے کے بعد انھوں نے رختِ سفر باندھا اور ترک وطن کے بعد سیدھے بغداد اور وہاں سے قاہرہ کی جامع الازہر میں داخل ہو گئے۔ وہاں ان کے اساتذہ میں مفتی عبدہ، بھی شامل تھے۔ مصر سے بیروت پہنچے (اواخر ۱۹۰۵ء) اور وہاں کے سیرین پروٹسٹنٹ کالج (بعد میں امریکن یونی ورسٹی) میں تین سال زیر تعلیم رہے (۱۹۰۶۔۱۹۰۹ء)۔ اس کالج میں ہندوستان سے تعلق رکھنے والے صرف وہی دو طالب علم تھے۔ یہاں طلبہ کی احتجاجی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا[۵]۔ یہاں ایک سال (۱۹۰۵۔۱۹۰۶ء) وہ درجہ دوم کے جس شعبہ میں طالب علم رہے، وہاں بی اے کے لیے زبان و ادب، تاریخ اور فلسفہ کے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ ذریعہ تعلیم انگریزی تھا، لیکن بعض مضامین عربی ہی میں پڑھائے جاتے۔ اضافی مضامین میں ترکی اور فرانسیسی زبانیں شامل تھیں۔ عبدالجبار خیری نے اپنے مقالہ برائے ڈاکٹریٹ (برلین یونی ورسٹی، ۱۹۲۷ء) کے آخر میں جو

مختصر سوانحی کوائف دیے ہیں، ان کے مطابق انھوں نے بی اے اور ایم اے کی اسناد بیروت سے حاصل کیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے بی اے کا امتحان ۱۹۰۹ء میں پاس کیا اور اس کے لیے جو خصوصی مضمون لکھا، وہ اسلام میں حقوقِ نسوانی سے متعلق تھا اور ان کا موازنہ قبل از اسلام کے دورِ جاہلیت سے کیا[6]۔ عبدالستار خیری اسلام کے حوالے سے یہاں کے یورپی طلبہ اور اساتذہ سے مباحث میں مصروف رہتے تھے۔

خیری برادران اور اسی شامی کالج کے منتظمین کے مابین اختلافات اور روزمرہ کے تنازعات کے باعث انھوں نے اپنا الگ سے مدرسہ بنانے کا فیصلہ کر لیا، جہاں وہ مخصوص معلمانہ نظریات کو کسی روک ٹوک کے بغیر روبہ عمل لا سکیں۔ جلد ہی مصر کے انقلاب پرست شیخ عبدالعزیز شاویش (۱۸۷۶ء۔۱۹۲۹ء)[7]، سلطنت عثمانیہ کی اعانت اور علی گڑھ "اخوت الاسلام" کی ایک کمیٹی کے بھرپور تعاون سے خیری برادران "دارالفنون" نامی ایک علاحدہ درس گاہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے (بیروت، ۱۹۱۱ء)۔ یہاں انھوں نے اپنی سوچ کے مطابق تدریسی اور انتظامی امور کو بہتر بنانے کے علاوہ طلبہ میں اسکاؤٹ تحریک کو عملاً مضبوط بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا[8]۔ اسکاؤٹ تحریک میں گہری دل چسپی برلین اور علی گڑھ میں بھی جاری رکھی اور وہاں بھی نوجوانوں کی جسمانی تربیت پر خصوصی توجہ دیتے رہے۔

"دارالفنون" ہی کے زمانے میں ان کی ملاقات نامور جرمن عربی دان مارٹن ہارٹمان (Martin Hartmann، ۱۸۵۱ء۔۱۹۱۸ء) سے ہوئی[9]، جس نے جرمن سوسائٹی برائے مطالعات اسلامی (Deutsche Gesellschaft für Islamkunde) کی بنیاد رکھی (۱۹۱۲ء)۔ وہ ہندوستانیوں کے اس مدرسہ کی نظام تعلیم و تدریس کے ملاحظہ کے لیے دوبار یہاں آیا (مارچ اور اپریل ۱۹۱۳ء)۔ اس نے سفر شام میں احباب کو جو مکاتیب لکھے، ان میں جابجا خیری برادران کی اسکاؤٹ تحریک اور مختلف کھیلوں کے ذریعے دنیائے اسلام کے نوجوانوں کی جسمانی قوت کو بڑھانے کی کوششوں کو سراہا[10]۔ انھی خطوط میں اس نے ایک استاد کا بھی ذکر کیا ہے، جو مدرسے میں جرمن زبان سکھاتا تھا[11]۔

جنگ عظیم اول شروع ہوئی (فروری ۱۹۱۴ء) تو خیری برادران کے لیے جرمنی سے قربت کے مواقع بڑھ گئے اور جب ترکی بھی انگریزوں کے مخالف ممالک کے اتحاد میں شامل ہو گیا، تو انھوں نے "دارالفنون" بند کر کے بیروت سے استنبول جانے کا ارادہ کر لیا۔ بیچ میں انھیں والد کی وفات (۱۹۱۲ء) پر ہندوستان جانا پڑا۔ واپسی پر وہ اپنے بڑے بھائی عبدالغفار خیری کو بھی ساتھ لے آئے، جو "دارالفنون" میں تقریباً ایک سال پڑھانے کے بعد واپس ہندوستان چلے آئے۔

پہلی جنگ عظیم کو شروع ہوئے ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ سیاسی اور مذہبی پروپیگنڈے کی غرض سے کمیٹی برائے آزادئ ہند، برلین کی بنیاد رکھی گئی (ستمبر ۱۹۱۴ء)، جو جرمنی کی وزارت خارجہ کے ماتحت تھی۔ اس کمیٹی کی روداد (ستمبر ۱۹۱۴ء) میں پہلی بار خیری برادران کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کمیٹی کا منتظم جرمن مستشرق ماکس فان اوپن ہائیم (Max von Oppenheim) تھا۔ بعض "ہندوستانی محبان وطن" نے کمیٹی کے سربراہ سے پُرزور مطالبہ کیا کہ افغانستان بھیجنے کے لیے مجوزہ سیاسی وفد میں خیری برادران کو لازماً شامل کیا جائے۔ سربراہ کے استفسار پر خیری برادران کے مختصر حالات زندگی کے علاوہ علی گڑھ اور بیروت میں ان کی تعلیمی خدمات اور اسلامی تعلیم کے منصوبے سے بھی آگاہ کیا گیا۔ برلین میں مقیم اور علی گڑھ ہی سے تعلق رکھنے والے عبدالستار صدیقی اور منصور احمد کی فراہم کردہ معلومات کے بعد کمیٹی کے ناظم کو یقین ہو گیا کہ وہ انگریزوں کے سخت مخالف ہیں اور ان کے پاس ترک شہریت اور پاسپورٹ بھی ہیں۔ ۱۹۱۴ء کے اواخر میں خیری برادران کا استنبول میں جرمن سفارت خانہ سے رابطہ ہو گیا اور انھیں پہلی بار یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ مکہ معظمہ جا کر مختلف ممالک بالخصوص ہندوستان سے تعلق رکھنے والے حجاج کرام کو جرمن مؤقف سے آگاہ کریں۔ مکہ معظمہ کے قیام کے دوران میں معروف جرمن خاور شناس برن ہارٹ مورتس (Bernhard Moritz) کی زیر ہدایت کام کرتے رہے، جو قاہرہ کی خدیو لائبریری میں ڈائریکٹر کے عہدے (۱۸۹۶ء-۱۹۱۱ء) پر فائز رہا۔

برلین کی مذکورہ بالا کمیٹی کی ایک شاخ استنبول میں بھی قائم کی گئی، جہاں خیری برادران جوش و جذبے سے سرگرم عمل رہے۔ وہ زیادہ تر ہندوستانی مسلمانوں اور آل انڈیا مسلم لیگ کے سیاسی مؤقف کی ترجمانی کرتے رہے، جس کی برلین کمیٹی کے سرکردہ ہندو رکن ہر دیال مخالفت کرتے تھے۔ برلین میں مقیم ہر دیال سمیت ہندوستانی قوم پرست افراد استنبول آ کر مسلمانوں کے خلاف باتیں کرتے اور خیری برادران کا رد کرتے۔ ان دونوں متحارب گروہوں کے سیاسی اختلافات نے جرمنوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کرانے میں مسلمان کہاں تک کامیاب ہو سکتے ہیں اور اس ضمن میں خلافتِ عثمانیہ کا تعاون نتیجہ خیز ثابت ہو گا یا نہیں[12]۔ بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ برعظیم کے حوالے سے یہ اتحاد وقت کی اہم ضرورت ہے۔ خیری برادران اور ہر دیال کی مخالفانہ کارروائیوں کے باعث یہ فیصلہ کیا گیا کہ عبدالجبار خیری کو استنبول سے برلین بھجوا دیا جائے، لیکن ان کے لیے یہ نقل مکانی مشکل تھی، کیوں کہ ان دنوں وہ یہاں کی یونی ورسٹی میں اردو پڑھا رہے تھے، مسلمانان ہند کی تنظیم سے وابستہ تھے اور چار زبانوں (اردو، فارسی، عربی اور ترکی) میں شائع ہونے والے مجلہ جہانِ اسلام[13] کے شریک مدیر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ جنگ کے دوران میں وہ زیادہ تر استنبول ہی میں رہے، لیکن بوقت ضرورت وہ برلین

میں وزارت خارجہ کے متعلقہ افسران اور اس کے تحت کام کرنے والے جرمن شرق شناسوں سے ملتے رہتے تھے۔
اسی وزارت کی زیر نگرانی جنگی قیدیوں میں پروپیگنڈے کے لیے الجہاد رسالے کا آغاز ہوا، جس کے مشمولات کو اردو اور ہندی میں بعنوان ہندوستان شائع کیا جاتا تھا (مابین ۱۹۱۵ء۔۱۹۱۸ء)۔ خیری برادران اس رسالے کے اردو حصے کو شائع کرتے تھے[۱۴]۔

جرمن وزارت خارجہ کے زیر نگرانی محکمہ اطلاعات برائے ممالک شرقیہ کی معاونت یا تفویض کردہ فوجی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بہت سے ممتاز خاور شناس اپنی تحقیقات اور عمیق مطالعات کی روشنی میں مفید معلومات فراہم کر رہے تھے[۱۵]۔ ایسے محققین اور متخصصین میں ہند شناس ہلموت فان گلاز نیپ (Helmuth von Glasenapp، ۱۸۹۱ء۔۱۹۶۳ء اور معروف یہودی اسلام شناس جوزف ہوروو تس Josef Horovitz) (۱۸۷۴ء۔۱۹۳۱ء) قابل ذکر ہیں۔

ہلموت اردو اور ہندی زبانوں پر عالمانہ مہارت رکھتا تھا۔ جرمن میں اقبال کی بعض اردو نظموں کے ترجمے میں اسے اولیت حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اقبال کے قیام ہائیڈل برگ کی یادگار نظم ایک شام، دریائے نیکر کے کنارے کا جو ترجمہ شہر ہائیڈل برگ کے وسطی باغ میں رکھے ہوئے ایک پتھر پر کندہ کرایا گیا ہے، وہ اس نے کیا تھا۔
جرمن سفارت خانہ کی متذکرہ وزارت کی پروپیگنڈا مہم میں شریک تھا۔ جدید مشرق (Der neue Orient) نامی جریدے میں وہ مختلف ممالک کی سیاسی، معاشی اور علمی صورت حال کا تجزیہ پیش کرتا تھا۔ ہندوستانی جنگی قیدیوں کے لیے جاری کردہ رسالہ ہندوستان کے ہندی ایڈیشن کو تیار کرتا تھا۔ وہ ان قیدیوں کے انٹرویو بھی ریکارڈ کرتا تھا[۱۶]۔

ہوروو تس نسلاً یہودی، عربی دان اور ماہر قرآنیات نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز برلین یونی ورسٹی سے کیا (۱۹۰۲ء) اور سات سال (۱۹۰۷ء۔۱۹۱۴ء) محمڈن اینگلو اورینٹل کالج، علی گڑھ میں عربی زبان و ادب کا معلم رہا۔
اس دوران میں وہ محکمہ آثار قدیمہ کے مجلے کا مدیر بھی رہا اور سیکڑوں کتبات کی ایک جامع فہرست بھی تیار کی[۱۷]۔
بیش تر مستشرقین کے برعکس وہ ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیم و ترقی کی جدوجہد اور انھیں انگریز حاکموں سے آزاد کرانے کی تحریکوں کا حامی تھا۔ اس "جرم" کی پاداش میں اسے "ناپسندیدہ شخص" قرار دے کر پابندِ سلاسل بھی کیا گیا، لیکن رہائی کے بعد بھی وہ مسلمانانِ ہند کے مطالبات کی تائید کرتا رہا[۱۸]۔
ہوروو تس جنگ عظیم اول شروع ہوتے ہی واپس جرمنی چلا گیا اور فرانکفورٹ یونی ورسٹی میں علوم اسلامیہ کے شعبے سے منسلک ہو گیا۔ ہندوستان میں طویل قیام اور مسلمانوں کے خیر خواہ کی حیثیت سے جرمن وزارت خارجہ نے

اس سے تعاون کی پیش کش کی، جو خوش دلی سے قبول کر لی گئی۔ اُسے علم تھا کہ خیری برادران علی گڑھ کالج کے فارغ التحصیل ہیں، جہاں اُس نے برسوں پڑھایا۔ کہا جاتا ہے کہ جب دونوں بھائی اپنے والد کی وفات پر بیروت سے دہلی آئے (۱۹۱۲ء)، تو اپنی پرانی درس گاہ دیکھنے علی گڑھ بھی گئے، جہاں ان کی ہورووتس سے بھی ملاقات ہوئی۔ استنبول میں عبدالجبار خیری اپنے مخالفین سے الجھ پڑے اور ہورووتس کی مداخلت سے یہ تنازعہ ختم ہوا۔ پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی، تو ہورووِتس کی علمیت، مسلمانوں کی زبانوں سے گہری واقفیت، ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک کے سیاسی احوال اور برطانوی استعماریت سے شدید اختلافات[19] کے باعث جرمنی کی وزارت خارجہ نے اس کو ہندوستانی باشندوں اور جنگی قیدیوں سے بات چیت، ان کے مسائل کے حل اور انھیں جرمنی کے مؤقف سے آگاہ کرنے کے لیے نامزد کیا۔ وہ وقفے وقفے سے وزارت کو رپورٹیں بھیجتا رہا، جس میں وہ اپنے تجربات، مشاہدات اور تجاویز بھی شامل کرتا۔ وہ علی گڑھ میں تحریکِ خلافت کے اثر و رسوخ کو دیکھ چکا تھا، اس لیے وہ خلافت عثمانیہ کو مستحکم کرنے کا خواہش مند تھا۔ اس نے متعدد ہندوستانی جنگی قیدیوں کے انٹرویو ریکارڈ کیے، جن میں اکیس اردو اور پانچ بلوچی زبان میں ہیں[20]۔

استنبول یونی ورسٹی میں اردو پڑھانے کی اوّلین کلاس کے آغاز کے علاوہ خیری برادران نے یہیں سے اخوت (اردو) اور برادر ہڈ (انگریزی) رسائل کا اجرا کیا، جو ان کے مذہبی اور سیاسی نظریات کی عکاسی کرتے ہیں (۱۹۱۵ء)۔ ان کے ذریعے انفرادی اور اجتماعی سطح پر مسلمانوں کے باہمی تعاون سے ترکوں اور جرمنوں کے مخالفین کا ڈٹ کر مقابلہ کیا گیا اور ہندوستان سمیت ان کے محکوم ممالک کو آزاد کرانے کی کوششیں جاری رکھی گئیں۔ انہی دنوں خیری برادران اسٹاک ہوم (بیلجیم) میں بین الاقوامی سوشلسٹ کے اجلاس میں شریک ہوئے اور تقسیم ہند کا نظریہ پیش کیا، جس کے مطابق مسلمان اکثریت کے علاقوں کو "مسلم انڈیا" اور دیگر کو "ہندو انڈیا" کے نام سے دو آزاد مملکتوں میں تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔

پہلی عالمی جنگ جرمنی اور اس کے اتحادیوں کی شکست پر ختم ہوئی (۱۹۱۸ء) جس نے جرمنی کے ہر شعبۂ زندگی کو متاثر کیا۔ انسانی جانوں کی ارزانی، ہلاکت اور تباہی و بربادی کے اندوہ ناک مناظر نے مختلف معاشرتی شعبوں کے علاوہ لوگوں کی سوچ اور فکر کے دھاروں کو بھی تبدیل کر دیا۔ مشرقی مذاہب، تہذیبوں اور زبانوں کے مطالعے کا رجحان بڑھ گیا۔ "اصلاح حیات" (Lebensreform) جیسی تحریکوں کا آغاز ہوا۔ فلسفی کیزرلنگ (Hermann Graf Keyserling) نے ڈارم شٹڈ میں "مدرسۂ حکمت" (Schule der Weisheit) کی بنا ڈالی (۱۹۲۰ء) جس میں زیادہ تر غیر یورپی اکابرین کو دعوت دی جاتی۔ ان میں رابندر ناتھ ٹیگور (م ـ ۱۹۴۱ء)

بھی شامل تھے۔ ہرمان ہیسے کا مشہور ناول سدھارتھا بھی ۱۹۲۲ء میں طبع ہوا اور ثقافتی فلسفی شپینگلر (۱۸۸۰ء۔۱۹۳۶ء) کی "زوال مغرب" (Der Untergang des Abendlandes) کی دوسری جلد منظر عام پر آئی (جلد اول،۱۹۱۸ء)۔

جرمن عوام نے مذہبی فکر اور کلاسیکی فلسفہ کے علاوہ ہندوستان کی جدید اصلاحی تحریکوں اور ان کے اثرات و نتائج کا بغور جائزہ لیا۔ برلین یونی ورسٹی میں سنسکرت کی تدریس کے علاوہ ادب، ثقافت نیز سیاسی، سماجی اور معاشی موضوعات پر بھی خطبات کا اہتمام کیا جاتا۔ ۱۹۲۰ء کی دہائی میں ہندوستان سے تجارتی تعلق کا بھی آغاز ہوا، ٹیکسٹائل کے کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی بین الاقوامی یونین کے رکن Franz Josef Purtwrängler نے ہندوستان کا دورہ کیا (۱۹۲۶ء۔۱۹۲۷ء)۔ اس نے روانگی سے قبل عبدالجبار خیری سے اردو سیکھی اور اپنے استاد کے بارے میں لکھا کہ "وہ سیاست میں بری طرح پھنسے ہوئے ہیں۔ اپنے ملک یعنی ہندوستان پر یورپی حکمرانوں سے شدید نفرت کرتے ہیں اور ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے وہ بنگالی برہمنوں کو ناپسند کرتے ہیں"[۲۱]۔

جنگ کے دوران میں جو اساتذہ اور اہل علم تفویض کردہ سیاسی اور فوجی خدمات کے لیے بیرونی ممالک بھجوائے گئے تھے، وہ ۱۹۲۰ء کے اوائل میں واپس جرمنی آنا شروع ہوئے اور پرانی تدریسی اور تصنیفی سرگرمیوں کو از سرنو شروع کر دیا۔ مشرقی مذاہب اور زبانوں کے مطالعے کے لیے نئے اداروں کی بنیاد رکھی گئی، مثلاً ادارہ برائے السنۂ شرقیہ (SOS = Seminar für Orientalische Sprachen) ۔ اس صورت حال میں خیری برادران بھی متحرک ہوگئے اور چند برس قبل انھوں نے "اورینٹ انسٹی ٹیوٹ" کی تشکیل کا جو خواب دیکھا تھا، اس کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے جرمنی میں جو ادارہ قائم کیا، اس کے اغراض و مقاصد میں سرفہرست تو دین اسلام کی تبلیغ ہی تھا، لیکن اس کے علاوہ ممالک شرقیہ سے علمی، ادبی، لسانی، ثقافتی اور تجارتی تعلقات کو فروغ دینا بھی شامل تھا۔ اس ادارے کی سرگرمیوں میں انھیں کامف میئر (George Kampffmeyer)، بیکر (Carl Heinrich Becker) اور اوگن مٹ ووخ (Eugen Mittwoch) جیسے نام ور مستشرقین کا تعاون حاصل تھا، جن کی راہنمائی میں وہ استنبول میں بھی کام کرتے رہے"[۲۲]۔

متذکرہ صدر ادارہ یعنی "ایس او ایس" کے قیام (۱۸۸۷ء) کا مقصد اُن جرمن ملازمین کی ضرورتوں کو پورا کرنا تھا، جن کی تعیناتی کسی بیرونی ملک میں کی جاتی تھی۔ پہلی جنگ عظیم میں جنگی قیدیوں کے مکاتیب کا ترجمہ اور چھان

پھاٹک بھی یہی ادارہ کرتا تھا۔ جرمن ہند شناسوں اور خاور شناسوں کے ساتھ خیری برادران یہ ذمہ داریاں بطریق احسن سرانجام دیتے تھے۔

خیری برادران کے مداح جرمن مستشرق ہارٹ مان نے ۱۹۱۲ء میں "جرمن سوسائٹی برائے مطالعۂ اسلام" (Deutsche Gesellschaft für Islamkunde) قائم کی۔ اس کی وفات (۱۹۱۸ء) کے بعد بیکر تھوڑی دیر کے لیے اس کے نگران مقرر ہوئے اور پھر کامف میئر نے یہ ذمہ داری سنبھالی (۱۹۲۰ء)۔ یہ تمام سربراہان استنبول اور برلین میں خیری برادران کے رفقائے کار رہے، اس لیے وہ اکثر یہاں خطاب کرتے۔ ان کے علاوہ تیونس کے صالح الشریف التیونسی (۱۸۶۹ء۔۱۹۲۰ء) اور مصر کے عبدالعزیز شاویش بھی اپنے انقلابی سیاسی خیالات کا اظہار کرتے رہے۔

خیری برادران ۱۹۱۹ء میں استنبول سے جرمنی پہنچے۔ ابتدا میں انھوں نے سگریٹوں کی دکان کھولنے کا بھی ارادہ کرلیا، "انڈن ایسوسی ایشن"(Verein für Inder) کے تحت ہندی طلبا کی جسمانی نشو و نما اور کھیل کود کے فروغ میں مشغول رہے، لیکن جلد ہی برلین یونی ورسٹی میں بغرض تعلیم داخل ہوگئے (اوائل ۱۹۲۰ء)۔ یہاں وہ بیکر کے اسلام پر خصوصی لیکچروں میں شریک رہے۔ عبدالجبار خیری نے اپنے محدود مالی وسائل ہی کے بل بوتے پر مجلہ اسلام[۲۳] (بزبان جرمن) کا اجرا کیا، جس کے صرف دو شمارے منظر عام پر آئے[۲۴]۔ ان میں بیش تر مدیر ہی کی تحریریں شامل ہوتی تھیں۔ اس رسالے کی بندش کے بعد خیری برادران نے "اکیڈیمک مسلم سوسائٹی، اسلامیہ" (Akademisch-Islamische Vereinigung "Islamia") قائم کی (۱۹۲۴ء)۔ اس کے "امام" عبدالجبار خیری اور اس کے زیادہ تر ارکان مسلمان ممالک کے طلبہ تھے۔ برلین کی Islamische Gemeinde سے اس کا الحاق کیا گیا اور اس کا بنیادی مقصد دین اسلام کی تبلیغ اور جرمن عوام کو اس کی اہمیت سے آگاہ کرنا تھا۔ مختلف علما کے لیکچروں کا اہتمام کیا جاتا اور کتابیں بھی شائع کی جاتیں۔ جلد ہی یہ سوسائٹی سیاسی اختلافات کی نذر ہوگئی (۱۹۲۷ء)۔ اس سے ایک سال قبل عبدالجبار خیری بھی اس کی "امامت" سے دستبردار ہوگئے۔

۱۹۲۱ء میں عبدالستار خیری نے جرمن خاتون سے شادی کرلی۔ اس نے پہلے اسلام قبول کیا اور پھر رسم نکاح ادا ہوئی، جو بڑے بھائی عبدالجبار خیری نے ادا کی۔ اس کا اسلامی نام فاطمہ رکھا گیا اور زندگی بھر فاطمہ خیری لکھتی رہی۔ اس کے نکاح خواں یعنی عبدالجبار خیری عمر بھر غیر شادی شدہ رہے اور خود کو تبلیغ دین کے لیے وقف رکھا[۲۵]۔

عبدالجبار خیری نے جرمنی کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی برلین یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کے لیے پہلے سیاسیات (۱۹۱۹ء) اور پھر قانون (۱۹۲۲ء۔۱۹۲۳ء) کے مضامین کا انتخاب کیا۔ مقالۂ خصوصی کا موضوع ہندوستان اور

اس کی محنت کش، ابتدا اور ارتقا تھا[۲۶]۔ انھوں نے یہ مقالہ معروف معاشیات دان ورنر سومبارٹ (Werner Sombart)،(۱۸۶۳ء۔۱۹۴۱ء) کی نگرانی میں مکمل کیا، جو ڈاکٹر ذاکر حسین، سابق صدر بھارت، کے مقالہ کا بھی نگران تھا۔ جولائی ۱۹۲۷ء کو پیش کردہ اس مقالے میں یہ ثابت کیا گیا کہ یورپی اقوام جو تصورات لے کر ہندوستان آئیں، انھوں نے یہاں کی روح کو کچل ڈالا۔ نگران مقالہ پرولتاری سوشل ازم[۲۷] پر کتاب کا مولف تھا اور عبدالجبار خیری جیسے امیدواروں کو "مذہبی سوشلسٹ" کے نام سے یاد کرتا تھا[۲۸]۔ مقالہ نگار اور نگران مقالہ کے مابین قریبی تعلق رہا اور مؤخر الذکر کے نجی کاغذات میں عبدالجبار خیری کے متعدد خطوط اور پوسٹ کارڈ محفوظ ہیں[۲۹]۔

اپنے بڑے بھائی کی طرح عبدالستار خیری نے بھی برلین یونی ورسٹی ہی سے ڈاکٹریٹ کرنے کا فیصلہ کیا اور مقالۂ خصوصی کے لیے ہندوستانی آرٹ اور فن تعمیر کا موضوع منتخب کیا۔ فنون لطیفہ اور آثارِ قدیمہ کے مورخ ہلموٹ تیوڈور بوسرٹ (Helmuth Theodor Bossert) کے زیر سرپرستی عبدالستار خیری نے ہندوستان کے اسلامی دور میں کتابی تصاویر کی تاریخ پر اپنا مقالۂ خصوصی سپرد قلم کیا، جس کا انگریزی ترجمہ نگران مقالہ نے کیا، جس کا ایک حصہ زیور طبع سے بھی آراستہ ہوا[۳۰]۔

جنگ عظیم اول میں جرمنی کی ہزیمت اور نومبر ۱۹۱۹ء کے انقلاب کے زیر اثر دیگر اداروں اور انجمنوں کی طرح مختلف فنون کے احیاء کے لیے بھی خصوصی حلقے معرض وجود میں آئے۔ ان میں ایک اوکن ایسوسی ایشن (Euken Association) کا نام بھی لیا جاتا ہے، جس کو جرمن فلسفی روڈولف کرسٹوف اوکن (Rudolf Christoph Euken)،(۱۸۴۶ء۔۱۹۲۶ء) اور اس کے ماہر اقتصادیات فرزند والٹر اوکن (Walter Euken)، (۱۸۹۱ء۔۱۹۵۰ء) نے قائم کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے اراکین کی تعداد چار ہزار تک جا پہنچی اور مختلف شہروں میں پچیس کے قریب شاخیں قائم ہو گئیں۔ خیری برادران بھی اس انجمن کے رکن تھے اور اس کے تحت شائع کردہ جرمن رسالے[۳۱] میں مضامین بھی لکھتے اور گاہے گاہے اس کے مذہبی اور ثقافتی امور پر تقاریر کرتے۔

شام، مصر، عراق، ترکی اور جرمنی میں تقریباً ربع صدی گذارنے کے بعد خیری برادران نے ہندوستان واپسی کا فیصلہ کیا، لیکن الگ الگ۔ عبدالجبار خیری براستہ انگلستان (۱۹۲۹ء) اور عبدالستار خیری، نومسلم جرمن بیوی فاطمہ خیری، ایک بیٹے اور دو بیٹیوں سمیت برلین سے روانہ ہوئے (۱۹۳۰ء)۔ دونوں بھائیوں کا عمر بھر کا ساتھ یوں منقطع ہوا کہ وہ آبائی ملک پہنچ کر الگ الگ شہروں میں مقیم رہے۔ بڑا بھائی دہلی میں اپنے آبائی مکان میں تا مرگ رہائش پذیر رہا، جب کہ چھوٹا بھائی بیوی بچوں سمیت علی گڑھ یونی ورسٹی میں جرمن اور فرانسیسی زبانیں پڑھانے میں

مصروف ہو گیا(۱۹۳۱ء)۔ اُن دنوں جرمنی اور علی گڑھ یونی ورسٹی میں باہمی علمی تعلقات عروج پر تھے۔ یہاں کے مختلف شعبوں میں جرمن دانش گاہوں کے اعلیٰ سند یافتہ مسلمان اساتذہ پڑھا رہے تھے[۳۲]، بالخصوص شعبہ اقتصادیات میں[۳۳]۔ ویسے بھی اس یونی ورسٹی کو جرمنی کے نیشنل سوشلسٹ تصورات کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔

اکتوبر ۱۹۳۱ء میں جرمنی کے نامور مستشرق اوٹو شپیس(Otto Spies)، (۱۹۰۱ء۔۱۹۸۱ء) (علی گڑھ یونی ورسٹی کے شعبۂ عربی و علوم اسلامیہ میں بطور پروفیسر تعینات ہوئے[۳۴]۔ عبدالستار خیری انھیں پہلے سے جانتے تھے۔ وہ اپنی واپسی (۱۹۳۶ء) تک یہاں پڑھاتے رہے اور اس دوران میں انھوں نے جرمن زبان و ادب اور طرز فکر کو متعارف کرانے میں ان تھک محنت کی۔ عبدالجبار خیری اور آٹو شپیس کی مشترکہ کوششوں کے باعث جرمن سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا اور اس کی جانب سے مجلہ کا آغاز ہوا (۱۹۳۴ء)، زیر ادارت عبدالستار خیری، جس میں زیادہ تر انہی کی تحریریں شائع ہوتی تھیں۔ ان کی بیگم فاطمہ خیری بھی اس انگریزی رسالے کی ترتیب، اشاعت وغیرہ میں اپنے شوہر کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ جرمن سوسائٹی شپیس جیسے اسلام شناسوں کو لیکچر کے لیے بھی مدعو کرتی تھی۔ بغرض اعلیٰ تعلیم جرمن وظائف مثلاً (DAAD) کے حصول کی درخواستیں اس سوسائٹی کی منظوری کے بعد متعلقہ دفاتر کو بھیجی جاتی تھیں۔ اس کے باوجود کہ اس دور کی سالانہ رپورٹوں میں اس مجلہ کی خدمات کو سراہا گیا، حکومتی دباؤ کے تحت اس کو بند کرنا پڑا (اواخر ۱۹۳۶ء)۔ عبدالستار خیری ایسے انتقامی حربوں سے دل برداشتہ ہونے والے نہیں تھے، چناں چہ دو سال بعد اسی یونی ورسٹی سے دوسرا انگریزی رسالہ The Spirit of Time روح، عصر، جرمن Geist der Zeit :منظر عام پر لے آئے (۱۹۳۸ء)۔ اس سے اگلے برس اکتوبر میں اس کی بندش کا حکم نامہ پہنچ گیا، جنگ عظیم دوم سے قبل ہی اس کے مدیر کو علی گڑھ یونی ورسٹی میں "نازی سیل (Nazi Cell) " قائم کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ جنگ کے اختتام تک وہ پابند سلاسل ہی رہے، بلکہ ان کے بیوی بچوں کو بھی پیرول پر قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ اکتوبر ۱۹۴۴ء میں یہ خاندان رہا ہوا، لیکن ستمبر ۱۹۴۵ء میں عبدالستار خیری راہیٔ ملکِ عدم ہو گئے۔ تقسیم ہند (۱۹۴۷ء) کے بعد ان کی بیگم فاطمہ خیری بچوں سمیت کراچی اور چند سال بعد مستقل طور پر انگلستان چلی گئیں۔

عبدالجبار خیری اور عبدالستار خیری یعنی خیری برادران راسخ العقیدہ مسلمان، غیر مسلم معاشروں میں اسلامی تعلیمات کو نیک نیتی سے متعارف کرانے والے مبلغین، جواں عمری سے آزادیٔ ہند کے لیے کوشاں، "انگریز دشمنی" کی تحریک کے پُرجوش حامی، علی گڑھ، شام، مصر، بیروت اور برلین کی دانش گاہوں کے تعلیم یافتہ، بیرون ملک یعنی بیروت میں اپنی درس گاہ "دارالفنون" کے بانی، استنبول یونی ورسٹی میں اردو کے پہلے استاد، استنبول، برلین اور علی

گڑھ سے اردو، جرمن اور انگریزی علمی رسائل کے اجرا کنندہ، برعظیم کے علمی حلقوں میں جرمن انداز فکر و نظر اور طرز زیست متعارف کرانے والے، متحدہ ہندوستان میں "مسلم انڈیا" اور "ہندو انڈیا" کے نام سے دو آزاد مملکتوں کے قیام کا نظریہ پیش کرنے والے، عبدالستار خیری کی مسلم لیگ میں شمولیت اور قائد اعظم محمد علی جناح سے مراسلت، برطانوی استعماریت کی مخالفت اور طویل قید و بند کی صعوبتیں کا برداشت کرنا۔ بلاشبہ خیری برادران نے ان متنوع دینی، علمی، ثقافتی، لسانی، سیاسی بالخصوص برصغیر اور جرمنی کے مابین تہذیبی روابط کے فروغ کے لیے جو گرانقدر خدمات سرانجام دیں، ان کے پیش نظر ہماری تاریخ میں ان کی حیثیت مسلمہ ہے۔

خیری برادران کی "انگریز دشمنی" کا ایک قابل توجہ پہلو یہ بھی ہے کہ وہ جرمنی کے سیاسی افکار کی نشر و اشاعت میں پیہم کوشاں رہے، لیکن اس کے برعکس وہ کبھی کبھار جرمنوں کو بھی اپنی روز مرہ زندگی کی جھلکیاں دکھاتے تھے۔ بڑے بھائی عبدالجبار خیری کے میلان طبع اور انداز فکر پر دین اسلام غالب تھا، لیکن ان کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیگر موضوعات میں بھی دلچسپی رکھتے تھے، مثلاً ایک جرمن خاتون لیزا بارتل ونکلر (Liza Barthel-Winkler)، (۱۸۹۳ء۔۱۹۶۶ء) نے ایک ناول لکھا بعنوان جنگل میں عورت (Die Frau im Dschungel)، برلین ۱۹۳۴ء (جو جرمن ناول نگاری کی تاریخ میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ اس میں ایک جرمن خاتون کی بڑھ چڑھ کر تعریف و توصیف کی گئی ہے، جس کا بچہ ہندوستان میں گم ہو جاتا ہے۔ اس کا شوہر Balosor شہر میں اپنے چچا کی ٹیکسٹائل فیکٹری میں ملازم تھا۔ کارکنوں کی ہڑتال کے ہنگامے میں وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ ماں دو سال شمالی ہندوستان کا چپہ چپہ چھان مارتی ہے، لیکن بچے کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اس سفر میں وہ ہندوستان کی غربت، بھوک اور نچلے طبقے کے استحصال کو دیکھتی ہے۔ اپنی جائداد سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہے، لیکن ہمت نہیں ہارتی۔ بالآخر وہ اپنے اغوا شدہ بچے کو حاصل کر لیتی ہے۔ عبدالجبار خیری نے اس ناول کا پیش لفظ لکھا ہے، جس میں وہ اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ

> جرمن خاتون، جو ایک ماں بھی ہے، یہ اس کی مادرانہ شفقت کے اعتراف میں پیش کردہ گیتوں میں سے ایک گیت ہے۔ اس میں روح ہند کو قلبی اور ذہنی طور پر خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ تفصیل کے لیے رجوع کیجیے (رک) راقم کی درج ذیل دو کتابیں: خیری برادران۔سوانح، خطوط۔ لاہور ۲۰۱۷ء اور
Kheiri Brothers. Renowned Scholars and Freedom-Fighters of Muslim India. Lahore 2016.

۲۔ رئیس احمد جعفری: علی برادران۔ لاہور ۱۹۶۳ء؛ اس ضمن میں روسی ادیب دوستوفسکی کے شاہکار ناول کے اردو ترجمہ بعنوان "کرامازوف برادران" از شاہد حمید مرحوم کا حوالہ بھی دیا جا سکتا ہے۔

۳۔ جرمنی کے دو بھائیوں فریدرش گیارگ اور ارنسٹ میونگر کے بارے میں رک:

Jörg Magenau: Brüder unterm Sternenzelt. Friedrich Georg und Ernst Jünger. Eine Biographie. Stuttgart, 2012.

"بھائی سنگی خیمے کے نیچے۔ سوانح"

۴۔ رک: رازق الخیری: سوانح عمری علامہ راشد الخیری، در: 'عصمت' ۵۶ (۱۹۶۴ء)، ص ۹؛ ایک روایت کے مطابق "چونکہ آپ کے [راشد الخیری کے] بزرگ ابوالخیر خیر اللہ شاہجہاں کے دور میں عرب سے دہلی آئے، اس نسبت سے آپ "خیری" کہلائے۔

اوراق گم گشتہ، مرتّبہ، رحیم بخش شاہین۔ لاہور ۱۹۷۹ء، ص ۶۱

۵۔ اس مقصد کی خاطر ملک چھوڑ کے جانے والے چند قابل ذکر اشخاص کے لیے رک:

Nirode K. Barooah: Chatto. The Life and Times of an Indian Anti-Imperialist in Europe. Oxford 2004; Tapan K. Mukherjee: Taraknath Das. Life and Lettres of a Revolutionary in Exile. Calcutta, 1998; Emily Brown: Har Dayal. Hindu Revolutionary and Rationalist. Tuscon, 1975.

درمیانے طبقے کے ایسے مسلمان انقلابیوں کے لیے رک:

Yasmin Saikia: “Uncolonizable. Freedom in the Muslim Mind in Colonial British India”, in: South Asian History and Culture 7 (2016), pp. 117-134; Markus Doechsel: The Politics of Self-Expression. The Urdu Middle-class Milieu in Mid-Twentieth Century India and Pakistan. Abingdon 2006.

۶۔ بیروت میں طلبہ کی تحریک اسکاؤٹ میں خیری برادران نے اہم کردار ادا کیا، رک:

Anne-Laure Dupont: "Une école missionaire et étrangère dans le révolution constitutionnelle ottoman. La Crise de 1909 au Syrian Protestant College de Beyrouth", in: Cahiers de la Méditerranée, 75 (2007), pp. 39-57.

۱۹۱۱ء میں حسن نظامی نے شام کا سفر کیا۔ خیری برادران سے ملاقات کی اور ان کے "دارالفنون" کا بھی ذکر کیا، رک: سفر نامہ خواجہ حسن نظامی، لاہور: آتش فشاں، ۱۹۹۱ء

اُس دور کے ترک نوجوانان کی تحریک کے احتجاجی جلسوں میں فعال کردار ادا کیا، جس میں مصر کے حسینی ہمت اور حلب کے عبدالرحمن بھی شریک رہے۔ ان طلبا کے مطالبوں میں انسانی حقوق، انصاف اور آزادیٔ اظہار بھی شامل تھے۔

۷۔ قیام جرمنی کے دوران میں اسلام میں حقوق نسواں خیری برادران کا پسندیدہ موضوع رہا۔ وہ اور عبدالستار خیری کی نومسلم جرمن بیوی فاطمہ کے اس موضوع پر تحریر کردہ مضامین خواتین سے مخصوص رسالہ عصمت میں چھپتے رہے۔ رک: از فاطمہ خیری ("عصمت"، اکتوبر ۱۹۲۷ء، ص ۲۷۳، اپریل ۱۹۲۹ء، ص ۲۶۴)، عبدالستار خیری ('عصمت'، اگست ۱۹۲۷ء، ص ۱۵۶۔۱۶۰، نومبر ۱۹۲۷ء، ص ۳۹۱۔۳۹۳، جنوری ۱۹۲۸ء، ص ۹۔۱۶ اور نومبر ۱۹۲۸ء، ص ۳۷۳۔۳۷۶، ۴۲۱)

۸۔ رک: انور الجندی: عبدالعزیز شویش من رُوّد التربیۃ والصحاف الاجتماع۔ قاہرہ ۱۹۶۵ء

۹۔ رک:

Philip S. Khoury: Syria and the French Mandate: The Politics of Arab Nationalism, 1920-1945. Princeton, NJ, 1987, p. 407.

کہا جاتا ہے کہ اب بھی بیروت میں اسکاؤٹ تحریک کے بانیوں کی حیثیت سے خیری برادران کو یاد کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ کیمف میئر (G. Kampffmeyer)، کا تعزیت نامہ، در: Die Welt des Islams 6 pp. 67-71 (1918)

اس کی تصانیف کی منتخب فہرست کے لیے رک:

Die Welt des Islams, 23 (1941), pp. 115-121, by G. Jäscke

نیز رک:

J. Fück: Die arabischen Studien in Europa. Leipzig 1955, pp. 269-273.

۱۱۔ دیکھئے اس کی جرمن کتاب:

Reisebriefe aus Syrien. Berlin 1913, pp. 109-110.

۱۲۔ ایضاً، ص ۳۳

۱۳۔ رک :

Habermas, Rebekka: “Islam Debates around 1900: Colonies in Africa, Muslims in Berlin, and the Role of Missionaries and Orientalists”, in: Migration and Religion: Christian Transatlantic Missions, Islamic Migration to Germany, Ed. Barbara Becker – Cantarino. Leiden 2015, pp. 123-254.

۱۴۔ جہانِ اسلام (ترکی کا ایک اردو اخبار) از ڈاکٹر خلیل طوق اَر۔ لاہور، ۲۰۱۱ء

۱۵۔ اس اردو مجلہ کے اجراء، مندرجات وغیرہ کے لیے رک:

Heike Liebau: “Hindostan: A Camp Newspaper for South-Asian Prisoners of World War One in Germany”, in: “When the War Began We Heard of Several Kings”: South Asian Prisoners of World War I Germany. Ed. Franziska et al. New Delhi 2011, pp. 231-249.

۱۶۔ مشرقی ممالک کے متعلق ایسے فوجی اقدام کے لیے رک:

L. Jennifer: “German Orientalism: Introduction”, in: Comparative Studies of South Asia, Africa and the Middle East. 24/2 (2004), pp. 97-100; ----: “Germany’s Eurasian Strategy in 1918”, in: The World during the First World War. Eds. Helmut Bley and Anorthe Kremers. Essen, Germany 2014, pp. 291-302.

۱۷۔ حالات زندگی کے لیے رک 'Deutsche National Biographie': جلد ۶، برلین ۱۹۶۴ء، ص ۴۲۸ اور اس کا سفر نامہ

Meine Lebensreise: Menschen, Länder und Dinge, die ich sah. Wiesbaden 1964.

۱۸۔ ظفر الاسلام: جوزف ہوروِوتس در: فکر و نظر، ناموران علی گڑھ، مطبوعہ علی گڑھ، ۱۹۹۱ء، ص ۳۱۔۴۲

۱۹۔ اقبال سے بھی اس کی مراسلت رہی۔ رک: راقم کی کتاب "اقبال اور جرمنی"، لاہور: ۲۰۲۰ء، ص ۱۹۴۔۲۰۲

۲۰۔ رک: اس کی اپنی تحریر کردہ کتاب Indien unter britischer Herrschaft: (ہندوستان برطانوی حاکمیت کے تحت)۔ مطبوعہ برلین / لائی پتسک، ۱۹۲۸ء

۲۱۔ رک:

Gudrun Jäger: "Orientalistik jenseits aller Nationalismen: Der jüdische Gelehrte Josef Horovitz und sein Verständnis von Annäherung zwischen Judentum und Islam", in: Forschung Frankfurt, 3-4 (2002), pp. 80-83.

۲۲۔ رک :

Franz Josef Furtwängler: Indien: Das Brahmanenland im Frühlicht. Berlin 1931, pp. 13, 21 and Willy Buschak: "Deutsche und britische Gewerkschafter reisen 1926/27 durch Indian", in: Österreichische Zeitschrift für Geschichtswissenschaften. 22/i (2011), pp. 87-111.

۲۳۔ رک:

Gerdien Jonker: "The Dynamics of Adaptive Globalisation: Muslim Missionaries in Weimar Berlin", in: Entangled Relations: Interdisciplinary Journal for the Study of Religious Contact and Transfer. 1 (2014), pp. 115-258; Larissa Schmid: "Competing Visions of Area Studies in the Interwar Period: The School of Oriental Languages in Berlin", in: Middle East--Topics and Arguments. 4 (2015), pp. 50-60.

۲۴۔ اس رسالے کا مکمل عنوان درج ذیل ہے:

Islam. Ein Wegweiser zur Rettung und zum Wiederaufbau.

۲۵۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء اور مئی ۱۹۲۳ء

۲۶۔ دیکھیے ان کی واحد اردو کتاب بعنوان، دین اور اس کی حقیقت، دہلی ۱۹۴۰ء، طبع نو، مرتبہ محمد اکرام چغتائی۔ لاہور ۲۰۱۶ء

۲۷۔ جرمن عنوان:

Indien und seine Arbeiterschaft; Ihre Enstehung und Bewegung.

۲۸۔ جرمن عنوان Der proletarische Sozialismus : ، 1924ء ۔

۲۹۔ رک: ایضاً، جلد دوم، ص ۱۳۶

۳۰۔ یہ مجموعۂ دستاویزات برلین یونی ورسٹی کے آرکائیوز میں دستیاب ہے۔

۳۱۔ رک Indische Miniaturen der Islamischen Zeit, Berlin 1921 :

۳۲۔ رسالے کا عنوان :

Der Tatwelt. Zeitschrift für Erneuerung des Geistesleben، دنیائے عمل۔ رسالہ برائے احیائے ذہن انسانی۔

۳۳۔ مکتوب عبدالستار خیری بنام بیکر (بابت ۸ فروری ۱۹۳۱ء)، در: برلین آرکائیوز

۳۴۔ رک: وفات نامہ از Heinrich Schützinger، در ZDMG: ، 133/i(1983ء)، ص ۱۱۔۱۷؛ اُن کی ۶۵ویں سالگرہ کے موقع پر پیش کردہ ارمغان، مرتبہ W. Hoenerbach ۔ ویس بادن ۱۹۶۷ء اور راقم کا مقالہ
"Pakistan and Europe: Their Intellectual, Cultural and Political Relationship", in: Bunyad (Lahore, LUMS), 6 (2015), pp. 22, 36, f.n. 32.

Abstract

This article aims at unfolding the remarkable contributions of Abdul Sattar Kheri and Abdul Jabbar Kheri (Kheri brothers) while being in Cairo, Egypt after leaving their homeland in the early twentieth century. They could have gone to either Cambridge or Oxford but they preferred to choose a country for their missions where they could work free from the clutches of colonial powers. In Al-Azhar University, Mufti Muhammad Abduh was among many teachers who taught him. They left Egypt for Beirut and got admission to Syrian Protestant College (afterward American College) and they remained there for three years. He wrote a research paper there on Women's Rights in Islam in comparison with the period of Jahiliya. They took part in various protests there. They succeeded in establishing an educational entity 'Darul Funoon' under the patronage of revolutionary Egyptian leader Abdul Aziz Shavesh, Ottoman Power and a committee of Aligarh 'Akhuwatul Islam' in which they initiated scouting activities among students as well.

Keywords: Kheri brothers, self-exiled life of Kheri brothers.